Negotiations 2:2 (2022) pp. 22-31 ISSN: 2789-293X

اکیسویں صدی کے تقاضے اور اقبال کے تعلیمی افکار و نظریات

21st Century Necessities and Iqbal's Educational Thoughts

Muhammad Shoukat Ali
Lecturer Urdu, Aspire College Manawan, Lahore.

KEYWORDS

Iqbal's Educational Ideas
Understanding
Purpose of Education
Aims and Objectives
Analytical and Research Study

DATES

Received 10-05-2022
Accepted 28-05-2022
Published 20-06-2022

QR CODE

ABSTRACT

The usefulness of Iqbal's educational ideas in the 21st century cannot be denied because he has a clear understanding of the real purpose of education. What is education? What is life and what are its aims and objectives? What is the purpose of human creation? The answers to these questions can be found in Iqbal's educational ideas. The real purpose of education is to make man visible; it makes him aware of the secrets hidden in the universe and of the heavens and the earth. In Iqbal's educational concepts, there is the real teaching of conscience, which leads man to the spirit of obedience to God Almighty and the Holy Prophet. According to Iqbal, education creates the reality of Tawheed and Prophethood, character building in man, depth of thought, Ejtehadi vision, study of the universe, unity of character, teaching jihad, courage and sincerity. This article presents an analytical and research study of the educational ideas and concepts of Hazrat Allama Iqbal in the context of the 21st century.

*DOI:*https://doi.org/10.54064/negotiations.v2i2.53

اکیسویں صدی میں اقبال کے تعلیمی افکار و نظریات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان کے ہاں تعلیم کے اصل مقصد کا ادراک نمایاں ہوتا ہے۔ تعلیم کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ زندگی کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ ان سوالات کے جوابات اقبال کے تعلیمی افکار و نظریات سے دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ تعلیم کا اصل مقصد انسان کو صاحب نظر بنانا ہے، اس سے کائنات میں پوشیدہ اور زمین و آسمان کے رازوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ اقبال کے تصورات تعلیم میں اصل وجدانی تعلیم ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی اطاعت کے جذبے

سے آگاہ ہوتا ہے۔ دینی تعلیم سے انسان کی تقدیر سازی کی تربیت ہوتی ہے اور ولولہ ء شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک تعلیم توحید و رسالت ﷺ کی حقیقت، انسان میں کردار سازی، خیالات میں گہرائی، اجتہادی نظر، مطالعہ ء کائنات، وحدت کردار، درسِ جہاد، جرأتِ رندانہ اور اخلاصِ نظر پیدا کرتی ہے۔ اس مقالے میں حضرت علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات و تصورات کا اکیسویں صدی کے تناظر میں مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہاں اقبال کے تعلیم کے ضمن میں جہاں داخلی پہلوؤں کو پیش کیا گیا وہاں تعلیمی خارجی افکار و نظریات کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ اقبال کے تعلیمی افکار و نظریات سے اکیسویں صدی میں بھی ترقی و ترویج کی جاسکتی ہے۔ ان کے نظریات میں آفاقیت، اصلاح و بہبود، وسعتِ نظر، نفسیاتی اور سائنسی انداز فکر کے پہلو نمایاں ہیں۔ جن کے فروغ سے نہ صرف پاکستانیت کی ترقی میں اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ ملتِ اسلامیہ کے لیے بھی روشن مستقبل کا سامان موجود ہے۔ اقبال کے تعلیمی نظریات ملت اسلامہ کو اتحاد اور بھائی چارے کا درس دیتے ہیں۔ اسی طرح عالم اسلام کی بقا اور ترقی و ترویج بھی ہو سکتی ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ اپنے تعلیمی افکار میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ماضی میں ان کے تعلیمی افکار نے برصغیر کے مسلمانوں میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اُس انقلاب نے پاکستانیت کو فروغ دیا اور آج ہم اسی عہد میں جی رہے ہیں۔ اقبال کے تعلیمی افکار میں تمنائے انقلاب کی کیفیت طاری ہے۔ دور جدید میں کوئی حیثیت، کوئی بھی حکمت، کوئی بھی زاویہ ء نگاہ اور کوئی بھی نظریہ حیات ہو، اقبال کے تعلیمی افکار سے اس کے حتمی نتائج تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ تعلیمی افکار کے ضمن میں ان کی شاعری سے نہ صرف ملت اسلامیہ بلکہ ساری دنیا میں انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔ شاعری اذہان، شعور، نفسیات، جذبات و احساسات اور فکریات کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی اقبال کی شعری عظمتوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان کے افکار و نظریات نے ماضی میں بھی سوئی ہوئی قوم کو جگایا اور آج بھی ان کی شعری عظمتوں سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اردو شاعری میں "کلیات اقبال اردو" بہت اہمیت کی حامل تصنیف ہے۔ اس کے شعری فن پاروں میں اکیسویں صدی میں درپیش مسائل کا حل بھی کار فرما ہے۔ اقبال کی شعری معنویت میں فکر کی تازگی، بلند آہنگی اور انقلابی رجحانات نمایاں ہیں جن سے جہان تازہ کی نمود کی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبال کا شعر ملاحظہ کیجیے:

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا[1]

علامہ اقبال کی شاعری میں بلند فکریات کی آمیزش نمایاں ہے۔ وہ دنیا کی ترقی و ترویج میں مادیت پرستی کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے ہاں زندگی کی تسکین میں روحانیت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ شاعری میں وہ مقصدیت، روحانیت، آفاقیت، عالمگیریت، جذبات اور احساسات کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کے ابتدائی زمانے کی شاعری کے علاوہ تمام کلام میں وسعت نظر، جاذبیت، زندگی سے مربوط، فلاح و بہبود، انبساط اور آسودگی کے پہلوؤں کی آبیاری ہوتی ہے۔ اقبال کی شاعری کی عالمگیریت اور نرالے پن کے ضمن میں سر شیخ عبد القادر لکھتے ہیں: "کسے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا، جس کی بدولت غالب کا بے نظیر تخیل اور نرالا انداز

[1] علامہ محمد اقبال، **کلیات اقبال** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2018ء)، 613۔

بیان پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اردو کے فروغ کا باعث ہوں گے، مگر زبان اردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبالؔ سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان بھر کی اُردو داں دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم وایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے"[2]

علامہ اقبال کے اردو کلام میں "بانگ درا"، "بالِ جبریل"، "ضرب کلیم" اور "ارمغان حجاز" (اردو) بلند پایہ کی تصانیف ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لیے ان چاروں تصانیف کو ایک مجموعہ کلام "کلیات اقبال اردو" کے عنوان سے شائع کیا جاچکا ہے۔ اردو شاعری میں شاعر مشرق نے نہایت ہی پر مغز، پر معنی اور جاذب نظر خیالات و تصورات کو پیش کیا ہے۔ "کلیات اقبال اردو" کی پہلی نظم "ہمالہ" سے لے کر "ارمغان حجاز" کی آخری نظم "حضرت انساں" تک کوئی نہ کوئی پیغام لیے ہوئے ہے۔ اقبال کی شاعری عالم انسانیت کے لیے تعلیمی میدان میں معاشرتی، تہذیبی، معاشی، اخلاقی، سیاسی اور روحانی وسعت لیے ہوئی ہے۔ ان کے فکر وفن میں گہرائی اور ہمہ گیری کے پہلو واضح ہیں۔ ان کے کلام میں انسان اور ان کو دور جدید میں درپیش مسائل کا حل موجود ہے۔ ان کے کلام میں قنوطیت یا جمود کی کیفیت نہیں ہے بلکہ ہر تخلیق اپنے اندر کوئی نہ کوئی معاشرتی مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اقبال کی منفرد شخصیت کے ضمن میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں: "اقبال کی فلاں نظم خالص متصوفانہ ہے یا فقط مابعد الطبیعیاتی ہے، یا صرف سیاسی ہے یا مذہبی ہے یا معاشرتی ہے یا تخیلی ہے۔ اقبال کی صرف ایک شخصیت ہے اور یہ ایک جامع الحیثیات شخصیت ہے۔ یہ ایک مربوط شخصیت ہے جس کے ہاں انسان اور اس کے مسائل، کائنات اور اس کے امکانات، زندگی اور اس کے تنوعات، بنی آدم کا مستقبل اور اس کے پھیلتے ہوئے آفاق سب ایک مکمل کل کے اجزاء ہیں"[3]

اقبالؒ کی شاعری میں تعلیمی افکار زندگی سے مربوط عناصر کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عالم انسانیت کے لیے سبق آموز پیغامات ملتے ہیں۔ انسانی زندگی میں غم کی کیفیات کی آمیزش رونما ہوتی ہے، لیکن شاعر مشرق اس غم کو خون جگر کے ساتھ انبساط اور آسودگی کی طرف لے جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ دور جدید کا انسان خود غرض اور نفس پرست ہوتا جارہا ہے۔ اسے مذہبی، قومی اور اخلاقی قدروں کا کوئی پاس نہیں ہے۔ جب کہ اکیسویں صدی کے انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی میں ہمدردی، مروت، ایثار، بھائی چارے اور جذب باہمی کو اپنائے۔ غم سے زندگی میں جمود کو توڑا جاسکتا ہے اور کائنات کے پوشیدہ رازوں کو پایا جاسکتا ہے۔ اقبال اپنی قوم کے نوجوانوں کو خواب غفلت سے جگانے کی سعی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی بیداری میں فلاح انسانیت، بقاء انسانیت، اتحاد و ہم آہنگی اور دوستی کار فرما ہے۔ اگر آج تمام اسلامی ممالک آپس میں مل کر ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور فرنگی قوتوں کے جال میں نا پھنسے تو کوئی بھی عالم اسلام کو زیر نہیں کرسکتا ہے۔ ملت اسلامیہ میں اتحاد اور باہمی سوچ بچار کی کمی ہے اور ہر کوئی صرف اپنے مفادات کو دیکھتا ہے جس کے اثرات دوسروں پر پڑتے ہیں۔ اس لیے ہی آج امت مسلمہ دنیا میں سفاکیت اور بربریت کا شکار ہے۔ اقبال اپنی قوم کو فطرت کے نظام سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح آسمان پر تارے رات کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ایک خوب صورت منظر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں بھی قدرت کے اس پوشیدہ نظام سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ علامہ اقبال اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

---

[2] شیخ عبد القادر، **دیباچہ: کلیات اقبال اردو** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2018ء)، 19/35۔

[3] احمد ندیم قاسمی، **پورا اقبال، مشمولہ: اقبال شناسی اور ایکو، مرتبہ: طارق عزیز** (لاہور: بزم اقبال، 1988ء)، 11۔

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے[4]
ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نقطہ تاروں کی زندگی میں[5]

عصرِ حاضر کا مسلمان اسلامی اقدار و روایات سے بہت دور ہو چکا ہے۔ وہ مغربیت کی مادہ پرستی میں زندگی کے آثار تلاش کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس میں ہمارے مکتب، سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کا بھی ہاتھ ہے جو نوجوان نسل کو اسلامی تعلیمات سے دور کر رہے ہیں۔ اقبال اس طرح کے مکتب اور معلم سے بھی نالاں ہیں جو نوجوانوں میں اسلامیات کی روح بیدار کرنے کی بجائے، اسے فراموش کر رہے ہیں۔ ہمارے نظام تعلیم میں آج بھی مغرب کے بنائے ہوئے اصولوں اور ضوابط کی پاسداری کی جاتی ہے بلکہ فخر سے آکسفرڈ اور کیمبرج کے نصاب کو پڑھایا جاتا ہے تاکہ طالب علموں میں مغربیت اثرات خوب سما جائیں۔ ہم اس تعلیم سے ایک اچھا روزگار تو حاصل کر سکتے ہیں، لیکن اپنے بچوں کی اصل روح کو بیدار نہیں کر سکتے۔ اس سے بچے کی دنیا تو بن سکتی ہے، لیکن آخرت کا سامان ادھورا رہ جاتا ہے جب کہ اصل تیاری تو آخرت کی ہونی چاہیے۔ اقبال ایسے ہی مکتب، مدارس، سکول، کالج اور یونیورسٹیوں سے نالاں ہیں جہاں لا الہ الا اللہ کی صدائیں نہیں گونجتی ہیں۔ اس ضمن میں اقبال کے اشعار ملاحظہ ہوں:

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا[6]
گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ[7]

اقبالؒ کے تعلیمی افکار میں عشق کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ اردو شعرا کے ہاں عشق و محبت کی کیفیات عام ہیں، لیکن وہ عشق مجازی کی طرف زیادہ جھکاؤ رکھتی ہیں۔ اقبال کے ہاں یہ کیفیات عشق حقیقی کے طور پر رونما ہوتی ہیں۔ ان کا عشق ذوق جمال الٰہی سے منسلک ہے۔ عشق آداب خود آگاہی سکھاتا ہے اور اگر عشق حضرت ابراہیمؑ جیسا ہو تو آتش نمرود کی حقیقت بھی ناپید ہو جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک آج کا مسلمان حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہے اور دور حاضر کی مغربی استعماریت، ظلم و ستم، بربریت، سفاکیت، نفرت اور عصبیت نمرودی طاقتوں کی مثال ہے۔ اکیسویں صدی کے مسلمان کے لیے عشق ابراہیمیؑ، ذوقِ ابراہیمیؑ اور ایمانِ ابراہیمیؑ کی ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کو حضرت ابراہیمؑ جیسے عشقِ خداوندی کی تعلیم دینی چاہیے۔ ایسی تعلیم جس میں کوئی خوف نہ ہو، ہمیں اپنے اکابرین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی اشد ضرورت ہے تب ہی ہم سامراجی قوتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو مطالعہ قرآن پاک کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا چاہیے تاکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کو حاصل کیا جا سکے۔ آج کے دور میں

---

[4] علامہ محمد اقبال، **کلیات اقبال** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2018ء)، 182۔

[5] **ایضاً**، 202۔

[6] **ایضاً**، 368۔

[7] **ایضاً**، 277۔

امت مسلمہ کا ایمان کمزور ہو چکا ہے، اس نے غیر اللہ پر ایمان کرنا شروع کر دیا ہے جب کہ ایمان کا پہلا تقاضا ہی توحید پر ہے۔ اگر توحید پر ایمان نہیں رکھا جاتا ہے تو شرک کے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسلام میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور اس لیے ہی ہم آج دنیا کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں۔ ہمارے ایمان کی پختگی کے لیے اقبال، حضرت ابراہیمؑ کے عشقِ توحید کی مثال کی تعلیم دیتے ہیں تا کہ ہمارا ایمان بھی تازہ ہو جائے۔ اقبالؒ اس کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی[8]

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے[9]

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا[10]

علامہ محمد اقبال جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے ہاں اعلیٰ پایہ کے فلسفیانہ نظریات و تصورات، فنی وجدان، مذہب، سیاست، فکر و فن، تعلیمی تصورات اور روحانی خیالات سبھی منفرد انداز میں اجاگر ہوتے ہیں۔ کلام اقبال میں قرآن اور رسول ﷺ سے محبت اور عقیدت کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستانیت کے قیام کا خواب بھی شاعر مشرق کی دوراندیشی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کے اس خواب کو ایک واہمہ ہی سمجھا جاتا رہا۔ ہندو اور انگریز مسلمانوں کی آزادی کے خلاف تھے۔ وہ پاکستانیت کے سخت خلاف تھے اور امتِ مسلمہ کو غلام بنانے کی کاوشوں میں ہر لحظہ سرگرم رہتے تھے۔ ہندو سامراجیت اور برطانوی استعماریت نے پاکستانیت کے خلاف بھرپور پراپیگنڈہ کیا۔ لیکن اللہ پاک کے فضل و کرم سے شاعر مشرق کے خواب کی تعبیر پاکستان کے قیام کی صورت میں ہوئی اور دنیا کے نقشے پر ایک نئی اسلامی مملکت کا اضافہ ہوا۔

اکیسویں صدی کے تناظر میں علامہ اقبال کی فکر اسلامی معاشرے کے تصور کو قائم کرنے کی خواہاں ہے۔ اسلامی معاشرے کی ترویج اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب مرد مومن میں اقبال کے نظریہ ''خودی'' کی کیفیت مضبوط اور طاقتور ہو گی۔ وہ نفس کے ناسور سے پاک اور فقر کی دولت سے باکمال ہو گا۔ اس کی صفات میں پاک بازی، صاف نیت، خوش اخلاقی، خوش مزاجی، نیابت الٰہی اور اطاعت الٰہی کے پہلو نمایاں ہو۔ دور جدید میں ملت اسلامیہ کی ترقی و ترویج کے لیے ضروری ہے کہ رنگ و نسل اور علاقائی تعصبات سے پاک معاشرہ قائم کیا جائے۔ اخوت و محبت اور عدل و انصاف پر اسلامی معاشرے کی بنیاد قائم کی جانی چاہیے۔ اس ضمن میں اقبال کا ایک پُر معنی شعر ملاحظہ ہو:

---

[8] ایضاً، 310۔

[9] ایضاً، 285۔

[10] ایضاً، 234۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا،عدالت کا،شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[11]

دورِ جدید میں ملت اسلامیہ کی انسانیت دم توڑ چکی ہے۔یہاں علاقائی،جغرافیائی ،لسانی،سیاسی،معاشی اور معاشرتی تعصب، نفرت،فینہ،بغض،فساد اور تضاد کی لہر زیادہ نمایاں ہے۔اقبال کے تعلیمی افکار دور جدید کے انسان کو خلوص،ہمدردی،بھائی چارے،محبت و اخوت، فلاح وبہبود، انبساط و آسودگی اور خوش اخلاقی کا درس دیتے ہیں۔یہ تبھی ہو سکتا ہے جب ملت اسلامیہ قرآن حکیم کے اصول وضوابط پر کاربند ہو گی۔اقبال کے تعلیمی افکار و نظریات میں بھی قرآن کی تعلیمات نے اثرات مرتب کیے ہیں۔کلام اقبال کی بیشتر نظموں اور موضوعات میں قرآنی تعلیمات کے اثرات نمایاں پائے جاتے ہیں۔اس ضمن میں خالد بزمی لکھتے ہیں:"مجموعی طور پر اقبال کا پیغام دراصل قرآن کے پیغام کی شرح و وضاحت ہے۔آج جو لوگ اقبال کے بعض اشعار اور فرمودات کو سیاق وسباق سے الگ کر کے انھیں اشتراکیت پسند ثابت کرنے کی جسارت اور علمی خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں،انھیں معلوم ہونا چاہیے۔۔۔کہ قرآن کی تعلیمات سے اشتراکیت کے ملحدانہ افکار و نظریات کی نفی ہوتی ہے"[12]

اقبال کی شاعری اوّل و آخر زندگی کا پیغام اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ان کی نظموں میں سوز و گداز کا مداوا ہے،انسانیت کی تکمیل اور روح حیات کی آمیزش ہے۔اقبال کے نزدیک اگر شاعری انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو زندہ کر دے اور قوتوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو تو ایسی شاعری "جذویست از پیغمبری" کا درجہ رکھتی ہے۔اقبال کی شاعری سے ارتقا اور حرکیات کی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے۔تسخیر کائنات کے ساتھ ساتھ اخلاقی قدر اور انسانیت سے آگاہی ہوتی ہے۔ان کے تعلیمی افکار میں ایمان ویقین کے ساتھ زندگی کی اہمیت کا بھی پتا چلتا ہے۔بقول فرمان علی طاہر:"اقبال نے اردو شاعری کو "وحدت فکر" عطا کی،وہ شاعر حیات ہے۔ان کے ہاں زندگی کا سوز و ساز ہے۔جذبہ خلوص اور بصیرت افروز دلنشیں باتیں ملتی ہیں۔وہ بڑے یقین اور ایمان کے ساتھ زندگی کے مقاصد کو پیش کرتا ہے۔فطرت نے اقبال کو ایک شاعر اور فن کار پیدا کیا ہے"[13]

علامہ اقبال کی شاعری میں سیاسی،مذہبی،سماجی،اخلاقی،روحانی اورآفاقی تعلیمات کی نشان دہی ہوتی ہے۔ان کی شاعری بلند فکریات کی شاعری ہے۔ان کی شاعری میر تقی میر،حافظ،غالب،جامی،ورڈزورتھ اور کیٹس وغیرہ کی شاعری سے منفرد مقام کی حامل ہے۔دیگر شعرا کی شعری معنویت میں حسن وجمال کے ساتھ درد و گداز کی کیفیات نمایاں ہیں۔جب کہ اقبال کے ہاں حسین و جمیل اور سوز و گداز کے ساتھ ساتھ سماجی،سیاسی اور معاشی تعلیمی نظریات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ان کی شاعری میں زندگی کی نفسیاتی عظمت وخیال کو اہم مقام حاصل ہے۔شاعری کی پہلی منزل حسنِ بیان تو ہوسکتی ہے،لیکن بلند خیالی کے بغیر حسن بیان بھی بے سود ہے۔اقبال کی شاعری میں بلند خیالی،بلند ہم آہنگی،معنی آفرینی،ندرت،غنائی،تشبیہات و استعارات،کنایہ اور تلمیحات سبھی کچھ تو موجود ہے۔جگن ناتھ آزاد "مسجد قرطبہ" کو اقبال کی ایک عظیم نظم تصور کرتے ہیں۔اردو شاعری میں اقبال کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے اس ایک نظم کو ہی کافی تصور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"یہ نظم صرف اقبال ہی کا شاہکار نہیں بلکہ ساری اردو شاعری کا شاہکار ہے۔اردو شاعری میں اس نظم کے سوا کچھ بھی نہ ہوتا تو بھی ہماری شاعری دنیا کی صف اول کی شاعری میں

---

[11] ایضاً،300۔

[12] خالد بزمی، قرآن اور اقبال، مشمولہ: اقبال شناسی اور النخیل، مرتبہ: طاہر تونسوی(لاہور: بزم اقبال،1989ء)،33۔

[13] فرمان علی طاہر، اقبال کا فکر و فلسفہ، مشمولہ: اقبال شناسی اور النخیل، مرتبہ: طاہر تونسوی(لاہور: بزم اقبال،1989ء)،43۔

ایک ممتاز مقام حاصل کر سکتی تھی۔"مسجد قرطبہ" شعریت، رومانیت، حقیقت پسندی، رمزیت اور ایمائیت کا ایک ایسا حسین و جمیل امتزاج ہے کہ ہماری ساری اردو شاعری روزِ اول سے آج تک کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے"[14]

عصرِ حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو علامہ اقبال ملت اسلامیہ کو قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور الفاظ و معانی پر غور کرنے کی تلقین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کی زندگی میں تلاوت قرآن پاک کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔قرآن پاک نوع انسانی کے ہر ذی روح کو اطاعت خداوندی کی طرف راغب کرتی ہے۔اسی میں دنیا اور آخرت میں کامیابی کے رموز و اوقاف پنہاں ہیں۔ابو محمد مصلح قرآن اور اقبال کے ضمن میں لکھتے ہیں:"شاعر اعظم قرآن مجید کی تلاوت کے وقت وجد میں آجاتا تھا۔قرآن مجید سن کر اس کی عجیب حالت ہو جاتی تھی۔گویا روح پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہے۔ایک دفعہ ایک عرب نے قرأت شروع کی ادھر اقبال بے قرار ہوگئے اور بے اختیار رونے لگے۔اقبال اپنی نظموں کو بھی ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔پھر یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ خدا کے کلام کو سنوار کر نہ پڑھتے۔قرآن مجید کی تلاوت با آواز بلند کرتے تھے جس سے اُن کے قلبی جوش کا اظہار ہوتا تھا"[15]

آج کے دور میں ملت اسلامیہ کو اتحادِ عالم اسلامی کی اشد ضرورت ہے۔اقبال کی ابتدائی شاعری میں وطنیت پرستی کے عناصر زیادہ تھے، لیکن قیام یورپ میں جب انھوں نے وہاں مادیت پسندی اور وطنیت پرستی کا گہرائی سے مشاہدہ کیا، تو ان کے تصورات و نظریات میں واضح تغیر و تبدل پیدا ہوا۔ان کے نظریات میں جغرافیائی حدود اور زمینی وطن پرستی سے زیادہ اسلامی تعلیمات کے اثرات زیادہ نمایاں ہوئے۔اس طرح وہ پین اسلام ازم کے حامی ہوگئے اور کہنے لگے:

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا[16]

علامہ اقبال ملت اسلامیہ کو ایک جسم و جان کی صورت میں دیکھنا چاہتے تھے۔وہ اتحاد عالم اسلام کے بہت بڑے داعی تھے۔وہ مشرق و مغرب بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں۔کیوں کہ عالم اسلام کے مسلمانوں کی بقا اور ترقی و ترویج کے لیے گٹھ جوڑ کرنا بہت ضروری ہے۔اگر مسلمان اتحاد نہیں کریں گے تو ذلت اور رسوائی ان کے دامن میں پڑی ہے۔عالم اسلام کو اتحاد اور بھائی چارے سے رہنا چاہیے تاکہ کوئی میلی آنکھ سے ان کی طرف نہ دیکھ سکے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا

[14] جگن ناتھ آزاد، **اقبال کی شاعری**، طباعت دوم، مشمولہ: **اقبال بحیثیت شاعر**، مرتبہ: **رفیع الدین ہاشمی** (لاہور: مجلس ترقی ادب، 2007ء)، 228۔

[15] ابو محمد مصلح، **قرآن اور اقبال** (حیدرآباد دکن: ادارہء عالمگیر تحریک قرآن مجید، 1938ء)، 25۔

[16] علامہ محمد اقبال، **کلیات اقبال** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 2018ء)، 186۔

ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر[17]
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی[18]

اکیسویں صدی کے منظر نامے میں اقبال کے تعلیمی افکار کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں کیوں کہ ان کے تعلیمی افکار میں قنوطی عناصر نہیں ہیں ،بلکہ رجائیت پسند خیالات و تصورات پائے جاتے ہیں۔ان کے ہاں زندگی میں جمود کی کیفیت طاری نہیں ہوتی بلکہ زندگی کو حرکیات میں رکھنے کا سبق ملتا ہے۔اقبال نے جس دور میں معاشرے کا مشاہدہ کرنا شروع کیا،اس وقت بھی ملت اسلامیہ پر جمود کی کیفیت طاری تھی۔دنیا میں ہر طرف ملت اسلامیہ پر ظلم و ستم ،استعماری اور سامراجی قوتو ں کا غلبہ تھا۔اقبال نے اس دور میں قوم کو ان کی خودی کا احساس دلایا اور شاہین کی طرح نڈر،خودداراور بلند پروازی کا سبق دیا۔دور حاضر میں مسلمان ممالک میں بربریت اور سفاکیت کی انتہا کی جارہی ہے ۔آج فلسطین، عراق، شام، ایران، آسام، برما، افغانستان، کشمیر اور یہاں تک کے پاکستان میں بھی دہشت گردی کے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔مشرقِ وسطیٰ میں ظلم کی داستان لکھی جارہی ہے اور اس سب کے عقب میں مغربی طاقتوں کا ہاتھ ہے۔اقوامِ متحدہ بھی مغربی یورپین کے حق میں ہے،اسے مسلمانوں سے کوئی سروکار نہیں۔مغربی طاقتیں مشرقِ وسطیٰ میں اپنا تسلط قائم کر کے ملت اسلامیہ کو اپنا غلام بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔اس نازک دور میں ملت اسلامیہ کو اتحاد کی ضرورت ہے، فکر اقبال نے بھی اسی پر زور دیا ہے اور قرآن مجید میں بھی تفرقے میں نہ پڑنے اور بھائی چارے کا ہی درس دیا گیا ہے۔اقبال کے تعلیمی افکار میں اکیسویں صدی کے اس نازک دور کے حل کی نوید موجود ہے۔کلام اقبال میں ملت اسلامیہ کے پیچیدہ مسائل کا حل موجود ہے، لیکن ضرورت غور و فکر کرنے کی ہے۔

علامہ محمد اقبال جہاں مغربی تہذیب و تمدن سے نالاں تھے وہاں مغربی تعلیمی نظام سے بھی گریزاں تھے۔مغربی نظام تعلیم اہل مشرق اور اسلامی ممالک کے لیے خاموش نسل کشی (Genocide) کے مترادف قرار دیا جا سکتا ہے۔اقبالؒ نے مغربی تہذیب و تمدن اور نظام تعلیم کا مشاہدہ قیام یورپ کے دنوں میں بڑی باریک بینی سے کیا اور اس سے نتیجہ اخذ کیا کہ یہاں کا نظام تعلیم مادیت پرستی میں خواہ کتنا ہی سود مند ہے، لیکن دین و مروت اور اخلاقیات کے لیے کسی صورت کار آمد نہیں ہو سکتا۔مغربی نظام تعلیم کے ضمن میں علامہ اقبال اظہارِ خیال کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
فقط ایک سازش ہے دین و مروت کے خلاف[19]
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے،اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب

[17] ایضاً،295۔
[18] ایضاً،300۔
[19] ایضاً،599۔

سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر[20]

اقبالؒ کے نزدیک موجودہ نظام تعلیم نے دنیا میں خوب سائنسی ترقی کی منازل طے کر لیں۔ انسان نے ہوا میں اڑنا اور پانی میں تیرنا تو سیکھ لیا ،لیکن انسان کی طرح زمین پر چلنا نہ سیکھ سکا۔ نظام سیارگان کو جاننے والا، شعاع شمسی کو گرفتار کرنے والا اور بے شمار سائنسی ایجادات کرنے والا اپنے مقدر اور اپنے نفع و نقصان کی پہچان نہ کر سکا۔ اس غلط توازن اور مزاج فاسد کا ضامن نظام تعلیم ہے۔ مغربی نظام تعلیم کے اثرات مسلم نوجوانوں پر بھی پڑے ہیں، جس نے ان کی زندگی سے مجاہدانہ اور مردانہ قوتوں کو سلب کر لیا ہے۔ علامہ اقبال کے تعلیمی افکار میں مغربی تعلیم کے منفی اثرات سے خبردار رہنے کا سبق ملتا ہے۔ مغربی تعلیم نے نوجوان نسل میں بے راہروی اور الحاد کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس کے اثرات عصر حاضر کے مغربی کالج ہی میں نہیں بلکہ مشرقی طرز کے مکاتیب اور خانقاہ میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مشرقی جامعات، کالج اور سکول میں بھی مغربی طرز عمل اپنایا جا رہا ہے جس سے زندگی محبت و خلوص، احساسات، جذبات اور اخلاقیات سے عاری ہو چکی ہے۔ اس ضمن میں اقبال کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ![21]

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ[22]

علامہ اقبال کے تعلیمی افکار میں تعلیم نسواں کے متعلق بھی اشارے ملتے ہیں۔ ان کے ہاں مرد کی تعلیم صرف ایک فرد کی تعلیم ہے جبکہ عورت کی تعلیم تمام خاندان کی تعلیم ہے۔ جس قوم کا آدھا حصہ جاہل ہو، وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اقبال اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے خواہاں تھے جس میں تعلیم و تعلم خالص اسلامی نقطہ ء نظر سے دی جائے۔ عورتوں کے لیے الگ اسلامی یونیورسٹی کے زبردست حامی تھے۔ اقبال تعلیم نسواں کے لیے اس تعلیم کی مخالفت کرتے تھے جس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا اور برائی کی ترویج کی جائے۔ وہ اُس علم کی تاثیر سے بے زار تھے جس سے زن ہوتی ہو نازن۔ جس مدرسہ میں لا قانونیت، بے دینی اور تہذیب فرنگی کی ترویج کی جاتی ہو، ایسے علم و ہنر کو موت کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اقبالؒ اس ضمن میں اظہارِ خیال کچھ یوں کرتے ہیں:

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن

---

[20] ایضاً، 666۔

[21] ایضاً، 378۔

[22] ایضاً، 238۔

کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت[23]

علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات و تصورات کا بغور جائزہ لینے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کا نظریہ تعلیم خالصتاً اسلامی ہے۔ان کے نظریہ تعلیم میں انسان کی روحانی بالیدگی کے ساتھ ساتھ مادی ضروریات کو بھی پورا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔عصر حاضر میں سائنسی ترقی کے ساتھ مسلمان قوم کو اپنا اسلامی وقار اور اسلامی تشخص بھی برقرار رکھنا چاہیے۔فرنگی تہذیب کسی بھی صورت میں انسانیت کی خیر خواہ نہیں ہے۔اس کے ثمرات معاشرے میں بے راہ روی، بے ہودگی، بے پردگی اور ننگ کے مترادف ہیں۔اقبال ایسی تعلیم کے خلاف ہیں جس سے معاشرے میں اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو، مغربی تعلیم و تہذیب میں حضرت انساں کے لیے بہت ناگزیر اثرات کارفرما ہیں اور جس کے ثمر انسانی موت کے برابر ہیں۔ایسا علم جس سے زن ہوتی ہے نازن، اقبال کے نزدیک وہ علم بے تاثیر اور موت کے مترادف ہے۔درس گاہوں میں جہاں دنیاوی تعلیم دی جاتی ہے وہاں دینی تعلیم بھی ضروری ہے اور عورتوں کے لیے خاص طور پر اس کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔دینی تعلیم کے بغیر عشق و محبت میں مقام حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے اور اسے اقبال نے علم و ہنر کی موت کہا ہے۔اقبال معاشرے میں عورتوں کی تعلیم کو لازمی قرار دیتے ہیں کیوں کہ وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جہاں نسوانی حقوق اور تانیثی اقدار کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔

☆☆☆

[23] ایضاً، 608۔